

عزاداری حسینؑ کے موضوع پر ایک مختصر اور جامع مقالہ

کشف العزاء

سید باقر نثار زیدی



عزاداری حسینؑ کے موضوع پر ایک مختصر اور جامع مقالہ

کشف العزراء

سید باقر نثار زیدی

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

| | |
|----------------|--------------------------------|
| نام کتاب | کشف العزاء |
| مصنف | سید باقر ثار زیدی |
| ناشر | سید باقر ثار زیدی |
| کمپوزنگ | سید آفتاب حسین رضوی |
| ٹائٹل ڈیزائننگ | سید آفتاب حسین رضوی |
| قیمت | |
| رابطہ | موبائل نمبر 0333-2120721 |

ہماری کتابیں درج ذیل websites پر پڑھی اور Download کی جاسکتی ہیں

www.alihaq.com

www.wilayat-e-ali.org

www.hubeali.com

.....

صدائے کرب و بلا

مورخ طبری نے اپنی تاریخ میں شہید کربلا حضرت عباسؓ ابن ابی شیبہ شاکری کا ایک جملہ محفوظ کیا ہے اور ہم اپنے لئے باعثِ سعادت سمجھتے ہیں کہ اس پاکیزہ جملے سے اپنی گفتگو کا آغاز کریں کیونکہ یہ وہ جملہ ہے جس میں اُس مقدس شہید نے پورے فلسفہ کربلا کو سمیٹ لیا ہے اور جو لوگ حقیقتِ دین کی تلاش میں رہتے ہیں وہ صرف اسی ایک جملے سے سمجھ لیں گے کہ ان کے پورے دین کی حقیقت کیا ہے۔ تاریخِ طبری جلد چہارم صفحہ ۲۴۹ پر حضرت عباسؓ اپنے آزاد کردہ غلام حضرت شوذبؓ سے فرماتے ہیں۔ ”آج کا دن وہ دن ہے کہ جتنا ہم سے ہو سکے ثواب لوٹ لیں۔ بس آج کے بعد عمل خیر کا موقع نہیں۔ پھر روز حساب آنے والا ہے۔“

یہی حقیقتِ دین ہے، روحِ دین ہے، خلاصہٴ دین ہے اور اس کے سوا کچھ بھی نہیں۔ کربلا کے بعد کچھ بھی باقی نہیں رہا، صرف کربلا باقی رہ گئی۔ اب اگر توحید سمجھنا ہے تو کربلا سے سمجھو۔ نبوت کو جاننا ہے تو کربلا سے جانو۔ مقاماتِ امامت کی سیر کرنا ہے تو کربلا کو دیکھو۔ اسرارِ ولایت کا محرم بننا ہے تو کربلا میں غور و تدبر کرو اور قیامت کو اگر اسی دنیا میں دیکھنا چاہتے ہو تو کربلا کا درد اپنے دل میں بسا کر دیکھو کہ قیامت کس چیز کا نام ہے۔ جس گھرانے سے دنیا کو اسلام ملا اور جو قیامت تک کیلئے قرآن کا ساتھی ٹھہرا

اور ہر شے کیلئے نمونہ عمل قرار پایا، جس کی محبت کو اللہ نے شرط دین، شرط ایمان اور شرط عمل قرار دیا تھا اسی کو کر بلا میں پیوندِ خاک بنا دیا گیا۔ اے لوگو! تمہیں کیا معلوم کہ کر بلا میں کون قتل ہو گیا۔ کر بلا میں حسینؑ قتل نہیں ہوا بلکہ کر بلا میں اسلام کو قتل کر دیا گیا، اللہ کو قتل کر دیا گیا، رسول کو قتل کر دیا گیا، علی کو قتل کر دیا گیا، حسن کو قتل کر دیا گیا۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ کل جس کے دروازے کو آگ لگائی گئی تھی اُس مخدّرہ عصمت کو قتل کر دیا گیا۔ اب باقی کیا بچا؟۔ لوگ قیامت تک در بدر کی ٹھوکریں کھاتے پھریں گے پھر بھی اسلام و ایمان کی بوتل نہ سونگھ سکیں گے۔ اب اسلام و ایمان صرف اسی کے پاس ہے جس کے دل میں کر بلا آباد ہے۔

اگر آپ خصوصی طور پر خود اپنے مذہب کا جائزہ لیں تو آپ کو فوراً معلوم ہو جائے گا کہ آپ کا پورا مذہب کر بلا سے ماخوذ ہے۔ کر بلا سے ہٹ کر جو کچھ بھی لوگ کہتے ہیں اور لکھتے ہیں اس سے تو سوائے شکوک و شبہات اور بے یقینی کے کچھ بھی نہیں ملتا کیونکہ ان کا تو مقصد ہی لوگوں کی تقسیم در تقسیم کرنا ہے۔ اسی میں ان کی بقا ہے اور صرف اسی صورت میں اس کے ذاتی مفادات پورے ہوتے ہیں۔ جبکہ کر بلا اپنے چاہنے والوں کو اکٹھا کر کے ایک نقطے پر جمع کرتی ہے۔ لہذا جن خوش نصیبوں نے کر بلا کو اپنا دین سمجھ لیا وہی صراطِ مستقیم پر دائم و قائم ہیں۔ حوادثِ زمانہ ان کے قدموں میں لغزش پیدا نہیں کر سکتے اور جو لوگ کر بلا کو محض رسماً مانتے ہیں یا معاشرتی دباؤ کے تحت کر بلا کا نام لیتے ہیں وہ قیامت تک متحد نہیں ہو سکتے۔ وہ ہمیشہ ٹولیوں میں تقسیم ہوتے رہیں

گے اور درد کی بھیک مانگتے پھریں گے۔ ہم خاکِ کربلا پر سجدے گزارتے ہیں اور گزارتے رہیں گے کیونکہ یہی ہماری اور ہمارے دین کی بقا کی ضامن ہے۔ اسی کی وجہ سے ہم زندہ ہیں اور انشاء اللہ زندہ رہیں گے۔ فرشِ عزا کی صورت میں جو فورم ہمارے پاس ہے وہ دنیا کی کسی قوم کے پاس نہیں۔ آج جو آپ فضائلِ امیر المؤمنین سنتے ہیں اور علیؑ کے نعرے لگاتے ہیں تو وہ اسی فرشِ عزا کا مرہونِ منت ہے ورنہ زمانے نے کب کسی کو اتنی مہلت دی ہے کہ وہ خونِ آشامِ تلواروں کی چھاؤں میں اپنی جان اور اپنے عقیدے کو محفوظ رکھ سکے۔

عزاداری

کسی قیمتی شے کے چھین جانے سے دل پر جو کیفیت گزرتی ہے اسے غم کہتے ہیں اور جب یہ اجتماعی صورت اختیار کر لے تو اسے عزا کہتے ہیں اور اس کی تین صورتیں ہیں۔
روحِ عزا، رسومِ عزا اور تبلیغِ عزا۔

روحِ عزا

یہ وہ اصل غم ہے جو دل میں ہوتا ہے اور یہ کسی خاص طور پر لیتے کا پابند نہیں ہوتا جیسا کہ غالبِ مرحوم نے فرمایا

فریاد کی کوئی لے نہیں ہے

نالہ پابند نے نہیں ہے

یہ وہ کیفیت ہوتی ہے جو پورے وجود پر طاری رہتی ہے یہاں تک کہ جب انسان دنیوی خوشیوں میں گھرا ہوتا ہے اس وقت بھی یہ غم دل میں چٹکیاں لیتا رہتا ہے۔ جب انسان اپنے جوان بیٹے پر نگاہ ڈالتا ہے تو اسے علی اکبر کی جوانی یاد آتی ہے۔ شیر خوار بچے پر نظر کرتا ہے تو باپ کی گود میں تڑپتا ہوا ایک پھول سا بچہ اسے اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔ وہ کھانا کھاتا ہے اور پانی پیتا ہے تو اسے حسینؑ کے بچوں کی بھوک اور پیاس بے چین کر دیتی ہے۔ جب وہ کسی ناہموار زمین پر چلتا ہے یا کسی ایسی زمین پر جہاں کانٹے اور پتھر بکھرے ہوئے ہوں تو اسے اپنے اُس مظلوم امامؑ کی یاد تڑپانے لگتی ہے جس نے بھاری طوق اور گرانبار بیٹیوں سمیت پاپیادہ ایک ہزار سات سو میل کانٹوں پر سفر کیا تھا۔

آغشتہ ایم ہر سر خارے بخون دل

آئین باغبانی صحرا نوشتہ ایم

(ہم نے ہر کانٹے کی نوک کو خون دل سے سینچا ہے۔ ہم نے صحرا میں باغبانی کرنے کا

آئین لکھا ہے)

اس عالم میں انسان کسی فرشِ عزا، کسی خطیب، کسی ذاکر یا کسی کتاب کا محتاج نہیں رہتا۔ اس کا بستر خود فرشِ عزا بن جاتا ہے اور اس کا تصور اسے رلاتا اور تڑپاتا ہے۔ یہی روحِ عزا ہے جس کی بنیاد محبت ہے ورنہ کسی کی زبان سے مصائبِ حسینؑ سن کر تو اپنے پرانے سب روتے ہیں کیونکہ یہ انسانی فطرت ہے۔ لوگ فلمیں دیکھ کر اور ناول پڑھ کر

بھی روتے ہیں لیکن یہ عزائیں ہوتی بلکہ جبّلت ہوتی ہے۔ اسی لئے مومن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ فضائل سن کر روتا ہے اور مصائب یاد کر کے روتا ہے۔

رسومِ عزاء

رسومِ عزاء ایک انتہائی ضروری اور لازمی شے ہے کیونکہ یہ تقاضائے مروّت ہے۔ دنیا میں جب کوئی شخص مر جاتا ہے تو اس کے وارث روتے ہیں اور بے قرار ہوتے ہیں۔ یہ غم ہے جو محبت کا لازمی نتیجہ ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ دریاں بچھاتے ہیں اور شامیانہ لگاتے ہیں تاکہ تعزیت کیلئے آنے والے وہاں بیٹھ سکیں۔ جو لوگ تعزیت کیلئے آتے ہیں وہ وارثوں کے ساتھ شریکِ غم ہوتے ہیں، ان کو تسلیاں دیتے ہیں اور اس بارے میں ہر قوم کا اپنا اپنا طریقہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملا، جو اصلاً عزائے حسین کا دشمن ہے، ہمیشہ رسومِ عزاء پر اعتراض کرتا ہے کیونکہ اس میں اتنی جرات نہیں ہوتی کہ وہ عزائے حسین کے بارے میں ایک لفظ بھی زبان سے نکال سکے۔ اسی لئے وہ رسومِ عزاء کے خلاف زبان درازی کرتا ہے اور اپنی خود ساختہ شریعت کی آڑ لیتا ہے حالانکہ رسومِ عزاء اداری ہر قوم ہر ملت میں ہوا کرتی ہے اور سب کے اپنے اپنے طریقے ہوا کرتے ہیں۔ ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ مولوی نے کسی رسم کی مخالفت کی ہو بلکہ جب اس کا کوئی اپنا مر جاتا ہے تو وہ بھی انہی رسوم پر عمل کرتا ہے لیکن عزاء اداری حسین گو وہ اس قدر سبک سمجھتا ہے کہ اس کی ہر بات پر اعتراض کرتا ہے۔ حالانکہ رسوم کا مقصد ایسے

مواقع پیدا کرنا ہوتا ہے جن سے مرنے والے کی یاد تازہ ہو جائے۔ جب کوئی غم اجتماعی طور پر منایا جائے اور اس میں چند خاص طور طریقے بروئے کار لائے جائیں تو یہ رسم عزا ہوتی ہے۔ اس کا ایک مقصد تو خدمتِ اہلبیتؑ میں تعزیت پیش کرنا ہوتا ہے اور دوسرا مقصد اس ذکر کو تازہ کرنا ہوتا ہے تاکہ دنیا کی مصروفیات ہمیں اس غم کی طرف سے غافل نہ کر سکیں۔ گھروں میں اور امام بارگاہوں میں مجالس منعقد کرنا، لوگوں کو آنے کی دعوت دینا، ذاکروں اور خطیبوں کو بلانا، اجتماعی ماتم کرنا، نوحہ خوانی کرنا اور تبرک تقسیم کرنا، یہ سب رسوم عزا ہیں اور مختلف اقوام میں یہ رسمیں مختلف طریقوں سے ادا کی جاتی ہیں۔ ان رسموں کو نہ تو آج تک کوئی ختم کر سکا ہے اور نہ انشاء اللہ قیامت تک کوئی ختم کر سکے گا۔ یہ رسوم دائمی ہیں کیونکہ ان کا سبب دائمی ہے۔ ظاہر بظاہر ان رسموں کی ابتداء مظلومہ شام سے ہوئی۔ پھر تمام ائمہ اطہار نے ان کو جاری رکھا۔ پھر جیسے جیسے مختلف اقوام کا ایک دوسرے سے اختلاط ہوتا رہا تو ایک قوم کی رسمیں دوسری قوم کی رسموں سے مخلوط ہوتی گئیں۔ مولا امیر المؤمنین نے فرمایا ہے کہ جو کوئی بھی کسی اچھی رسم کی بنیاد رکھے گا تو جب تک وہ رسم جاری رہے گی اُس کا ثواب اسے ملتا رہے گا۔

غناء

مجالس حسینؑ پر اعتراضات کی ابتداء مرثیہ خوانی اور نوحہ خوانی سے کی گئی اور ان چیزوں

کو ”غناء“ کہہ کر مسترد کیا گیا حالانکہ اس کی حقیقت ان کی اپنی خباث فطری کے سوا کچھ نہیں۔ اتنے بھولے تو یہ بھی نہیں ہیں کہ موسیقی اور غناء کا فرق نہ جانتے ہوں جبکہ یہ دونوں الفاظ عربی کے ہیں اور یہ لوگ خود کو عربی کا ماہر کہتے ہیں۔ غناء موسیقی کی ایک قسم ہے اور اس کا مقصد انسان کے شہوانی جذبات کو ابھارنا ہوتا ہے۔ اللہ نے اس چیز کو حرام کیا ہے نہ کہ موسیقی کو بلکہ خوش لحن ہونا اللہ کے نزدیک ایک پسندیدہ شے ہے۔ حضرت داؤد کو لحن بطور معجزہ عطا کیا گیا تھا۔ آج بھی قرآن کو لحن میں پڑھنا ایک پسندیدہ عمل سمجھا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے انسان کا کوئی عضو بیکار نہیں بنایا بلکہ اس لئے بنایا ہے کہ انسان اسے استعمال کرے۔ ہاں اس کے استعمال کو متوازن بنانے کیلئے اُس نے کچھ پابندیاں ضرور لگائی ہیں جن پر عمل کرنا لازمی ہے۔ اگر آپ انسانی نرخرے کی ساخت پر غور فرمائیں اور پھر پھیپھڑوں سے اس کے تعلق کو دیکھیں تو یہ سب کچھ خوش آوازی کا سامان نظر آئے گا۔ بات صرف ان چیزوں کے استعمال کی ہے۔ اگر ان کو جذبات حیوانی کو برا بیچتہ کرنے کیلئے استعمال کیا جائے تو یہ یقیناً حرام ہے لیکن اگر اسے مصائبِ حسین کے درد و الم میں اضافے کیلئے استعمال کیا جائے تو اس کے عبادت ہونے میں کوئی شک و شبہ پیدا نہیں کیا جاسکتا۔ میری ملاقات ایک مرتبہ سید محمد امروہوی (مجتہد) سے ہوئی۔ ان سے میں نے غناء کی تعریف پوچھی تو انہوں نے اپنے بچپن کا ایک واقعہ سنایا۔ انہوں نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میرے والد مجھے مجلس میں لے گئے اور صدر مجلس میں تشریف فرما ہوئے۔ سوز خوانی کی ترتیب کچھ

یوں ہوتی ہے کہ مرثیہ خوان پہلے رباعی پڑھتا ہے، پھر سوز، پھر سلام اور آخر میں مرثیہ۔ انہوں نے فرمایا کہ جب مرثیہ خوان نے رباعی شروع کی تو میرے والد نے میری انگلی پکڑی اور کچھلی صفوں میں جا کر بیٹھ گئے اور مجھ سے کہا کہ بیٹا یہ غناء ہے، یہ ہم نہیں سنیں گے۔ پھر جب اس نے مرثیہ پڑھنا شروع کیا تو انہوں نے میری انگلی پکڑی اور دوبارہ آگے آ کر بیٹھ گئے اور مجھ سے فرمایا کہ بیٹا یہ مرثیہ ہے، یہ ہم سنیں گے۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ قبلہ اس مرثیہ خوان نے رباعی، سوز اور سلام پڑھ کر جو لوگوں سے واہ واہ کرائی تو اپنے فن کے زور پر کرائی اور جب لوگوں کو رلایا تو وہ بھی اپنے فن کے زور پر رلایا۔ وہی اشعار اگر میں یا آپ پڑھتے تو ایک آدمی بھی نہ روتا۔ تو جس چیز کو آپ غناء کہتے ہیں وہ تو دونوں جگہ موجود ہے، ایک کو آپ حرام کہہ رہے ہیں اور دوسرے کو حلال؟۔ اس پر انہوں نے مجھے انتہائی ناپسندیدہ نظروں سے دیکھا اور کوئی جواب نہ دیا۔ میں یہ عرض کرتا ہوں کہ جس طرح آنکھوں کا بہترین استعمال یہ ہے کہ ان سے آثارِ معصومینؑ پر نظر کی جائے، جس طرح کانوں کا بہترین استعمال یہ ہے کہ ان سے ذکرِ معصومینؑ سنا جائے، اسی طرح اچھی آواز کا بہترین استعمال یہ ہے کہ اس کے ذریعے فضائل و مصائبِ معصومینؑ کے تاثر کو دو گنا اور چار گنا کر دیا جائے۔ اس کو غناء کہنا صرف اسی کا کام ہو سکتا ہے جو ذکرِ معصومینؑ کا دشمن ہو یا کم از کم یہ چاہتا ہو کہ اس ذکر کا تاثر بڑھنے نہ پائے۔

جب ہم سیرتِ ائمہؑ پر نظر ڈالتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ وہ نہ صرف اس کی اجازت دیا

کرتے تھے بلکہ خود بھی بڑی رغبت سے سنا کرتے تھے بلکہ فرمائش کر کے سنتے تھے۔ یہاں ہم شہادتِ عظمیٰ صفحہ ۳۳۸ سے ایک اقتباس پیش کرتے ہیں جس سے بات بالکل واضح ہو جائے گی۔

”امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں ابو ہارون مکتوف (شاعر) حاضر ہوا امامؑ نے فرمائش کی کہ مجھے امام حسینؑ کے مرثیے کے اشعار سناؤ۔ ابو ہارون کہتے ہیں کہ میں نے تحتِ الفظ بغیر سوز کے پڑھنا شروع کیا تو امامؑ نے فرمایا۔ ”ایسے نہیں، بلکہ جس طرح تم اپنے لئے سوز خوانی سے پڑھتے ہو اور جس طرح قبر حسینؑ پر جا کر پڑھتے ہو، اسی طرح سناؤ۔“ ابو ہارون کہتے ہیں کہ میں نے مرثیہ سوز کے ساتھ پڑھا تو امامؑ نے خوب گریہ کیا اور مزید پڑھنے کی فرمائش کی۔ آپ کے گھر کی خواتین بھی پردے میں خوب روئیں۔“

تبلیغِ عزا

عزا کی تیسری صورت تبلیغ ہے اور یہ وہ حالت ہے جب عزادارانِ حسینؑ اپنے گھروں اور امام بارگاہوں سے نکل کر گلیوں، سڑکوں اور بازاروں میں آجاتے ہیں اور ایک منظم جلوس کی صورت میں ننگے پاؤں، ننگے سر اور گریبان چاک کئے ہوئے، سینہ زنی کرتے ہوئے، زنجیر و قمہ زنی کرتے ہوئے اور سروں پر خاک ڈالے ہوئے ایک مقام سے دوسرے مقام تک پیدل گشت کرتے ہیں اور گلی گلی کوچہ کوچہ ہائے حسینؑ

وائے حسینؑ کی آوازوں سے گونجنے لگتے ہیں اور درو دیوار سے ان آوازوں کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ یہ غم کا اظہار بھی ہوتا اور احتجاج بھی جس کو دیکھ کر ہر شخص یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ کوئی بات تو ضرور ہے کہ ان لوگوں نے اپنی حالت اس طرح بنا رکھی ہے ورنہ یوں سروں پر خاک ڈالنا، خود کو اذیت دینا اور اپنے سرو بدن کو زخمی کرنا کون پسند کرتا ہے؟۔ ہر شخص پوچھتا ہے کہ ہوا کیا ہے؟۔ اور ان کو جواب ملتا ہے کہ قیامت سے پہلے قیامت آگئی۔ جس نبیؐ کا تم کلمہ پڑھتے ہو اس کے بیٹے اور اس کے پورے گھرانے کو تہ تیغ کر دیا گیا اور اس کی بیٹیوں کو ننگے سر بازاروں اور درباروں میں پھرایا گیا اور یہ کام کسی اور نے نہیں بلکہ اس نبیؐ کے امتیوں نے کیا ہے۔ یہ سن کر جس کسی کے دل میں تھوڑی سی بھی غیرت و حمیت ہوتی ہے وہ اپنے مقام پر نہیں رہ سکتا اور اپنے نبیؐ کی اولاد کو قتل کرنے والوں اور ان کی ہتک عزت کرنے والوں پر تبرّاکرتا ہوا حسینی صوفوں میں داخل ہو جاتا ہے۔ آپ یقین فرمائیں کہ مولوی نے بہت کم لوگوں کو شیعہ بنایا ہے اور جن کو بنایا ہے وہ بھی اس طرح بنایا ہے کہ انہیں کفر سے نکال کر گمراہی میں داخل کر دیا۔ لیکن جلوسِ غم کی یہ تاثیر ہے کہ جو بھی اس کو دیکھ کر شیعہ ہوا تو پھر حسینؑ ہی کا ہو کر رہ گیا۔ عزاداریِ حسینؑ نے یہ ایک ایسا طاقتور ذریعہ شیعوں کو عطا کیا ہے جس سے دنیا بھر میں ایک انقلابِ عظیم برپا ہو گیا اور دشمنانِ حسینؑ کی ٹانگیں کاٹنے لگیں اور ہر طرف سے یہ کوشش ہونے لگی کہ کسی بھی صورت اس جلوسِ عزاکو بند کیا جائے یا اسے ایک چار دیواری تک محدود کر دیا جائے۔ اس

مقصد کیلئے ہر سال عاشورہ کے دن جلوسوں پر حملے شروع ہوئے جو آج تک کسی نہ کسی صورت میں جاری ہیں۔ لیکن تاریخ گواہ ہے کہ جیسے جیسے یہ تشدد بڑھتا گیا ویسے ویسے شرکاء جلوس کی تعداد بڑھتی گئی اور جلوس کی شان و شوکت میں بے پناہ اضافہ ہوتا گیا۔ بہت جلد یہ احساس کر لیا گیا کہ باہر سے جلوس کو نقصان پہنچانا ممکن نہیں ہے اور اس کیلئے ضروری ہے کہ شیعوں کی اپنی صفوں میں ایسے لوگوں کو تلاش کیا جائے جو اس مقصد کو پورا کر سکیں۔ یہ ظاہر ہے کہ ایک عام شیعہ اس کام کیلئے مناسب نہیں ہو سکتا تھا لہذا ایسے لوگوں کا انتخاب کیا گیا جن پر مذہب کی چھاپ لگی ہوئی تھی جو شیعوں میں گہرا اثر و رسوخ رکھتے تھے، جن کے فتوؤں پر عمل کیا جاتا تھا اور جو عملاً دین و شریعت کے بلا شرکتِ غیرے مالک و مختار تھے۔ ان لوگوں نے اخوان المسلمون سے ساز باز کر کے اتحاد بین المسلمین کا نعرہ بلند کیا اور اپنے اصل کام کی طرف متوجہ ہوئے اور جلوسِ عزا کی قوت کو توڑنے کیلئے ایک مرحلہ وار پروگرام ترتیب دیا۔

پہلا مرحلہ

سب سے پہلے یہ طے کیا گیا کہ جلوس کے TEMPO کو توڑا جائے اور اس جوش و جذبے کو مجروح کیا جائے جس کے تحت لوگ دور دور سے چل کر اور ہزار خطرات مول لے کر جلوس میں شرکت کیلئے آتے ہیں۔ ماتم بند کر دیا جائے اور نوحہ خوانوں کو خاموش کر دیا جائے۔ چنانچہ یہ رسم ڈالی گئی کہ جب نمازِ ظہر کا وقت ہو جائے تو جلوس

کو فوراً روک دیا جائے اور نماز کی صفیں کھڑی کر دی جائیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بہت سے شرکاءِ جلوس تتر بتر ہو جاتے ہیں۔ بہت سے لوگ اسٹالوں پر چلے جاتے ہیں اور چائے نوشی اور سگریٹ نوشی کے مزے لینے لگتے ہیں۔ بہت سے لوگ مختلف ٹولیوں میں بٹ جاتے ہیں اور گپ شپ میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ بہت سے لوگ قہقہے مار کر ہنستے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ذوالجناح کو ٹھہرا دیا جاتا ہے۔ علم سرنگوں کر دیئے جاتے ہیں۔ اس طرح جلوس کا سارا تقدس خاک میں ملا دیا جاتا ہے اور ایک ایسا منظر سامنے آتا ہے جیسے شرکاءِ جلوس سو گوار نہیں بلکہ تماش بین ہوں۔ یہ سب کچھ دیکھ کر بھی لوگوں کی غیرت و حمیت جوش میں نہیں آتی اور ایک بندہ بھی اٹھ کر یہ نہیں کہتا کہ ”بد بختو! حکومت سے جو ہمیں لائسنس اور روٹ پر مٹ ملا ہے وہ جلوس کیلئے ملا ہے نماز کیلئے نہیں اور شاہراہ پر کھڑے ہو کر جو نماز پڑھی جا رہی ہے وہ نہ صرف یہ کہ روٹ پر مٹ کی خلاف ورزی ہے بلکہ صریحاً شریعت کے بھی خلاف ہے کیونکہ شریعت میں شاہراہ پر نماز پڑھنا ممنوع ہے کیونکہ اس طرح راگیروں کو چلنے پھرنے میں مشکل درپیش آتی ہے۔ جس شریعت کو عام راگیروں کا اتنا خیال ہو تو کیا وہ شریعت یہ گوارا کرے گی کہ حسینؑ کے ماتم داروں اور آثارِ کربلا کا راستہ مسدود کر دیا جائے اور اس نام نہاد اور ریاکاری کی نماز کی آڑ میں جذبہٴ غم حسینؑ کو دھپما کر دیا جائے؟ حالانکہ سامنے کی بات ہے کہ اگر کسی کو لازماً اسی وقت نماز پڑھنا ہے تو وہ کسی مسجد میں جا کر بھی پڑھ سکتا ہے ورنہ گھر جا کر تو بہر حال پڑھ ہی سکتا ہے۔ لوگوں کو یہ بات سوچنی چاہئے کہ

جس حسینؑ کی خاطر اللہ نے اپنے رسولؐ کی نماز رکوادی اسی حسینؑ کے جلوس کو ایک دکھاوے کی نماز کی خاطر روک دینا مشیتِ خداوندی کی مخالفت کرنا ہے یا نہیں؟۔ جب یہ مناظر دیکھنے میں آتے ہیں تو بے ساختہ زبان پر ”عجل اللہ تعالیٰ فرجک“ جاری ہو جاتا ہے۔ اللہ وہ دن جلد لائے جب ان لشکرِ یزید جیسی نمازیں پڑھنے والوں کا حساب بے باق کیا جائے۔ آمین!

دوسرا اقدام

جلوس کا راستہ روکنے کے بعد ان شعائر اللہ کو ہدف بنایا گیا جو جلوسِ حسینی کی پہچان اور حسینیوں کی جان ہیں اور جن کو دیکھکر ایک غافل انسان بھی کر بلا کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ اب علم، ذوالجناح، تابوت، جھولے اور تعزیے کے بارے میں ہرزہ سرائی شروع کی گئی اور جلوسِ عاشورہ کے دوران ایسے پمفلٹ تقسیم کئے جانے لگے جن میں ان تبرکات پر نکتہ چینی کی جاتی ہے، ان کا مضحکہ اڑایا جاتا ہے اور ان پر معاذ اللہ حرام ہونے کے فتوے لگائے جاتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ وہی اولادِ یزید جو نصف صدی پہلے ان شعائر اللہ کا راستہ روکے کھڑی تھی، اب بھیس بدل کر ہماری ہی صفوں میں گھس آئی ہے اور اب مذہبِ شیعہ بمقابلہ نام نہاد علماء شیعہ کے عنوان سے ایک نئی جنگ شروع ہو چکی ہے لیکن حسینؑ نے قیامت تک اپنے دشمنوں کی تلواریں گند کر دی ہیں اور شکست ان کا دائمی مقدر بن چکا ہے۔

علم

اب پھر وہی باتیں شروع ہو چکی ہیں کہ بیس روپے کے ڈنڈے پر دس روپے کا کپڑا باندھ کر ایک جھنڈا بنالیا جاتا ہے اور پھر لوگ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور اسے چومتے اور آنکھوں سے لگاتے ہیں۔ اس چیز کو یہ بدنہاد بت پرستی کہتے ہیں۔ تمام سیاسی پارٹیوں کے اپنے اپنے جھنڈے ہیں جو سڑکوں پر، عمارتوں پر، محلوں میں اور گھروں پر آویزاں ہوتے ہیں لیکن ان لوگوں کی منحوس زبان سے ان جھنڈوں کے بارے میں کبھی ایک لفظ بھی نہ نکلا لیکن حسین کے علم کے بارے میں ان کی زبانیں جھاڑ دیتی ہیں۔ اگر یہ لوگ واقعی اپنے بیان میں سچے ہیں تو کبھی پاکستان کے جھنڈے کے بارے میں بھی کوئی ایسا ہی فتویٰ دے کر دکھائیں۔ وہ جھنڈا تو جب بلند کیا جاتا ہے تو اس کے سامنے موڈب کھڑے ہونا لازمی ہے۔ اس جھنڈے کو تو سلامی دی جاتی ہے۔ ذرا اس کے خلاف کوئی فتویٰ لگائیں تو مزا بھی آئے۔ دس سال جیل کاٹ کر آئیں گے تو ساری مستی جھڑپ چکی ہوگی۔

ذوالجناح

ایران میں ذوالجناح نکالنا قانوناً جرم ہے اور اس جرم کے مرتکب کو جیل کی ہوا کھانی پڑتی ہے۔ وہاں ذوالجناح نکالنے کو ”گھوڑا پرستی“ کہا جاتا ہے اور جہاں تک میرے علم میں ہے کم از کم ایک ذوالجناح کو وہ شہید بھی کر چکے ہیں۔ عید قربان کے موقع پر

جو جانور خرید کر لائے جاتے ہیں وہ اُس مینڈھے کی شبیہ ہوتے ہیں جو حضرت اسمعیلؑ کے بدلے میں ذبح ہوا تھا۔ اُس مینڈھے کی شبیہ کو تو یہ لوگ سجا بنا کے گلی گلی کوچہ کوچہ لئے پھرتے ہیں لیکن حسینؑ کے وفادار اور مجاہد گھوڑے کی شبیہ ان کی آنکھوں میں کھٹکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ گھوڑا نہیں بلکہ خود حسینؑ ان کی آنکھوں میں کھٹکتا ہے۔ جہاں تک مومنین کا تعلق ہے تو وہ تو ذوالجناح کے سُموں کو بوسہ دینا باعثِ سعادت سمجھتے ہیں اور اپنے آنسو حسینؑ کی مادرِ گرامی تک پہنچانے کیلئے اسے اپنا وسیلہ سمجھتے ہیں۔ اس چیز کو اگر دشمنانِ حسینؑ گھوڑا پرستی کہتے ہیں تو مجھے اتنا بتائیں کہ یہ تو ایک جاندار چیز ہے، لیکن جب تم مکہ جا کر اپنے ہی ہاتھوں سے بنائے ہوئے ایک حجرے اور اس پر اپنے ہی ہاتھوں سے ڈالے ہوئے غلاف کو چومتے چاٹتے ہو تو اُس وقت تمہیں حجرہ پرستی کا خیال نہیں آتا؟۔ اور جب تم حجرِ اسود کے سامنے کھڑے ہو کر اس سے باتیں کرتے ہو اور کہتے ہو کہ ”اے حجرِ اسود! تو گواہ رہنا کہ میں نے اپنا عہد پورا کر دیا“ تو اس وقت تمہیں پھر پرستی یاد نہیں آتی؟۔ حقیقت یہ ہے کہ جب ہم خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہیں اور اسے چومتے ہیں تو ہماری مراد کعبہ نہیں بلکہ وہ ہوتا ہے جس کی طرف کعبے کی نسبت جاتی ہے۔ اسی طرح جب ہم علم و ذوالجناح کو احتراماً چومتے ہیں تو ہماری مراد وہ ہوتا ہے جس کی طرف ان چیزوں کی نسبت جاتی ہے۔

تیسرا مرحلہ

اب انہوں نے تیسرا قدم اٹھایا۔ ان کو معلوم تھا کہ جلوسِ عزا کی روح اور اس کی جان زنجیر اور قمہ کا ماتم ہے۔ اسی ماتم کو دیکھ کر لوگ حیران ہوا کرتے ہیں، اسی کی ہیبت لوگوں کے دلوں پر بیٹھی ہوئی ہے اور اسی سے متاثر ہو کر ہر سال بہت سے لوگ حسینی صفوں میں داخل ہوتے ہیں۔ دشمن ایک مدت سے اس کی تاک میں تھا لیکن جابر حکومتیں اور سفاک فتویٰ باز بھی اس کا بال بیکا نہ کر سکے۔ لیکن جب فتنہ خود اپنے گھر سے سراٹھائے تو نقصان یقینی ہوتا ہے۔ اسی مذموم مقصد کیلئے اعلیٰ ترین سطح سے ایک فتویٰ داغا گیا جس میں زنجیر و قمہ زنی کو حرام قرار دیا گیا۔ فتوے کا آنا تھا کہ دنیائے شیعہ میں گویا ایک بھونچال آ گیا۔ بہت سے لوگ تذبذب میں پڑ گئے۔ یہاں محبت اور شریعت میں ایک تصادم کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ محبت کہتی تھی کہ اٹھ! اور اپنے بدن کو زخمی کرتا کہ جناب زہراء راضی ہوں اور جعلی اور خانہ ساز شریعت کہتی تھی کہ رک جا! تا کہ ملا راضی ہو جائے۔ لیکن ماتم حسینؑ نہ تو کسی کے فتوے سے جاری ہوا ہے اور نہ کسی کے فتوے سے بند ہو سکتا ہے۔ اللہ ہمارے زنجیر و قمہ زن جوانوں کو سلامت رکھے کہ انہوں نے اس فتوے کو یکسر مسترد کر دیا اور مشاہدہ یہ کہتا ہے کہ اس فتوے کے آنے کے بعد زنجیر زنی اور قمہ زنی میں اور بھی اضافہ ہو گیا ہے۔ یہاں ہم چاہتے ہیں کہ وہ فتویٰ آپ کی خدمت میں پیش کریں اور پھر اس کے مختلف پہلوؤں پر کچھ گفتگو

کریں۔

فلسفہٴ عزاداری مولفہ آغا خاتون امی۔ صفحہ ۲۰ تا ۱۸

”قمہ لگانا بھی ان کاموں میں سے ہے جو غلط ہیں۔ یہ ایک غلط کام ہے کہ بعض لوگ قمہ ہاتھ میں لیں، اپنے سر پر ماریں اور اپنا خون بہائیں۔ اس کام کا کیا مطلب ہے؟۔ یہ کام کس زاویے سے عزاداری ہے؟۔ یہ کام جعلی ہے۔ یہ وہ چیز ہے جس کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلاشک ان کاموں سے خدا راضی نہیں ہے۔ ہمیں ایسے کام نہیں کرنا چاہئیں جن کی وجہ سے بلند و برتر اسلامی معاشرہ یعنی مجتہدین اہلبیتؑ کا معاشرہ جس کا افتخار حضرت ولی عصر ارواحنا فداه حسینؑ اور امیر المؤمنین علیؑ کے نام مبارک ہیں، وہ دنیا کے مسلمانوں اور غیر مسلموں کی نظر میں خرافات کا حامل اور بے منطق و شعور معاشرہ قرار پائے۔ ایسے کام نہ کیجئے۔ میں دل سے ان کاموں سے راضی نہیں ہوں۔ اگر کوئی سرعام قمہ زنی کرے تو میں قلباً اس سے ناراض ہوں.....
مجھے نہیں معلوم کہ اس کام کی بنیاد کیا ہے اور کون سے ہاتھ ان کاموں کو ہمارے اسلامی اور انقلابی معاشروں میں رائج کر رہے ہیں۔“

فتویٰ آپ نے ملاحظہ فرمالیا اور یقیناً ان امور تک بھی آپ کی نظر پہنچ گئی ہوگی جو اس فتوے کی زینت بنے ہوئے ہیں۔
۱۔ جعلی۔ خرافات۔ بے منطق و شعور۔
۲۔ اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔

۳۔ مسلم اور غیر مسلم اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔

۴۔ مفتی صاحب اس سے قلباً ناراض ہیں اور ان کو راضی کرنا انتہائی ضروری ہے چاہے ملکہ کونین ناراض ہی کیوں نہ ہو جائیں۔

۵۔ زنجیر و قمہ کا ماتم زمانہ قریب ہی کی بات ہے (یعنی پہلے اس کا رواج نہیں تھا) اور اس کو رائج کرنے میں کوئی خفیہ ہاتھ شامل ہے۔

ماتم حسینؑ کے لئے ”جعلی“ اور ”خرافات“ جیسے الفاظ وہی شخص ادا کر سکتا ہے جس کا محبت حسینؑ سے کوئی تعلق نہ ہو۔ محبت تو رہی ایک طرف، جس کے دل میں حسینؑ کا رتی برابر احترام نہ ہو، جس کے دل میں خوفِ خدا نہ ہو اور جس کے نزدیک جنابِ فاطمہ الزہراءؑ صلوٰۃ اللہ علیہا کی ناراضی کوئی اہمیت نہ رکھتی ہو۔ ماتم حسینؑ کو دین سے بے تعلق سمجھنے والا وہی ہو سکتا ہے جس کو یہ معلوم نہ ہو کہ حسینؑ بذاتِ خود دین ہے اور حسینؑ سے ہٹ کر دینِ خدا کوئی وجود ہی نہیں رکھتا۔ جہاں تک مذاق اڑانے کا تعلق ہے تو لوگ تو ارکانِ حج کا بھی مذاق اڑاتے ہیں، تو کیا اس ڈر سے حج ہی کو ترک کر دینا چاہیے؟۔ زنجیر و قمہ زنی کو زمانہ حال کی ایجاد کہنا لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنا ہے کیونکہ یہ ماتم صدیوں سے شیعہ قوم میں رائج ہے، یہ کوئی آج کی بات نہیں ہے اور نہ اس کا تعلق صرف بعض لوگوں سے ہے بلکہ دنیا بھر میں ایک کثیر تعداد یہ ماتم کرتی ہے۔ روزِ عاشورہ کر بلائے معلیٰ میں زنجیر و قمہ زن ماتمیوں کی تعداد دس لاکھ سے بھی زیادہ ہوتی ہے اور یہ منظر ٹی وی پر ہم کھلی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، مفتی صاحب کو اگر نظر نہ آئے تو

اس میں ہمارا تو کوئی قصور نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ماتم کا کوئی تعلق فتوے سے ہے ہی نہیں۔ پچھلے زمانے میں اکثر لوگ جن میں ہمارے ائمہ اطہار بھی شامل ہیں۔ ہر سال فصد کھلوایا کرتے تھے اور ڈھیروں خون بدن سے نکل کر زمین میں چلا جایا کرتا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر صحت برقرار رکھنے کیلئے اپنا خون نکالا جائے تو یہ سنتِ ائمہ ہے۔ سوچنا چاہئے کہ جب انسان اپنی صحت کیلئے اپنا خون نکال کر پھینک دے تو شریعت کچھ نہیں کہتی۔ تو اگر یہی خون محبتِ حسینؑ میں نکالا جائے تو شریعت کی کیا مجال ہے کہ اُف بھی کر سکے کیونکہ یہ خون اس کی محبت میں نکالا جا رہا ہے جو شریعت کا مالک و مختار ہے۔ اگر شرعی پہلو پر بھی غور کیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ انسان اس دنیا میں دو کیفیات سے گزرتا ہے۔ حالتِ اختیار اور حالتِ اضطرار اور مزاجِ شریعت یہ ہے کہ وہ حالتِ اختیار میں انسان پر پابندیاں لگاتی ہے اور حالتِ اضطرار میں اسے آزاد چھوڑتی ہے۔ حالتِ اختیار میں ہزار بندشیں ہوتی ہیں کہ یہ چیز نہ کھاؤ، وہ چیز نہ پیو۔ لیکن حالتِ اضطرار میں انسان کو اجازت ہوتی ہے کہ اگر بھوک کی وجہ سے ہلاکت کا اندیشہ پیدا ہو جائے تو انسان مرا ہوا کتا بھی کھا سکتا ہے، یہاں تک کہ اندیشہ ہلاکت برطرف ہو جائے۔ شدتِ غم بھی جب اپنی انتہا کو پہنچ جائے تو ایسی حالت میں انسان جو کچھ بھی کرتا ہے وہ شریعت کی قید میں نہیں آتا۔ حضرت اویسؓ قرنی کا اپنے دانت توڑ دینا اور رسول اللہ کا اس پر کوئی اعتراض نہ کرنا، مسافرہٗ شام کا اونٹ کی ہودج سے اپنا سر ٹکرا کر

لہولہان ہو جانا اور امام وقت کا خاموش رہنا ہماری بات پر مستحکم دلیل شرعی ہے۔ اسی طرح غم حسینؑ میں بے خود ہو کر اگر کوئی اپنے بدن کو زخمی کرے تو شرعی شواہد اس کی مکمل تائید کرتے ہیں اور اس پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔

جب ہم حالت اختیار پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی مشیت ہی یہی کہ محبوب پر جو مصیبت اور اذیت وارد ہو وہی مصیبت اور اذیت محبت خود اپنے اوپر بھی طاری کرے۔ چونکہ امام حسینؑ کا لاشہ دھوپ میں پڑا رہا تھا اس لئے جناب رباب سلام اللہ علیہا بھی زندگی بھر سائے میں نہیں بیٹھیں۔ یہ عمل امام وقت کی نظروں کے سامنے ہو رہا تھا لیکن انہوں نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا اس لئے یہ ہمارے لئے ایک حجت شرعی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی طرح اگر ہم حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمعیلؑ کے واقعے پر نظر ڈالیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت اسمعیلؑ پیاس سے بیتاب ہیں اور ان کی والدہ پانی کی تلاش میں صفا و مروہ کے درمیان سات چکر لگاتی ہیں۔ جناب ہاجرہ کی یہ ادا اللہ کو اس قدر پسند آئی کہ اس نے تمام حاجیوں پر واجب کر دیا کہ وہ بھی صفا اور مروہ کے درمیان بھاگ کر سات چکر لگائیں حالانکہ نہ تو وہ پیاس سے ہوتے ہیں اور نہ انہیں پانی کی تلاش ہوتی ہے بلکہ یہ ان کا شعوری اور ارادی عمل ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی حسینؑ کا چاہنے والا یہ چاہے کہ جو کیفیت اس کے زخموں سے چور چور امام پر گزری تھی۔ وہی کیفیت اپنے اوپر بھی طاری کرے تو یقیناً وہ مشیت خدا کو پورا کرنے والا ہے۔ غرض حالت اختیاری ہو یا حالت اضطراری،

دونوں صورتوں میں غمِ حسینؑ میں اپنے آپ کو زخمی کرنا فتویٰ بازوں کی پہنچ سے بہت دور ہے۔

قد قامتہ الصلوٰۃ

یہ وہ مقام ہے جہاں واقعہٴ کربلا کی بنیاد پر کلہاڑی چلائی گئی تاکہ پورا معاملہ ہی مشکوک ہو جائے اور وہ علماء جن کی عملاً پوجا کی جاتی ہے، انہوں نے حکومت کے نشے میں سرمست ہو کر یہ کہنا شروع کیا کہ امامِ مظلوم کے قیام کا مقصد (معاذ اللہ) حکومت حاصل کرنا تھا۔ اس کی تفصیلات آپ ہماری کتاب کشف الحقائق میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بڑوں کی دیکھا دیکھی چھوٹوں نے بھی زبان درازی شروع کر دی اور بارگاہِ امامؑ میں طرح طرح کی گستاخیاں شروع ہو گئیں۔ بعض نے کہا کہ امام حسینؑ نے بغیر منصوبہ بندی کے جنگ کی اس لئے ان کا مقصد ناکام ہو گیا اور حکومتِ اسلامی قائم نہ ہو سکی (العیاذ باللہ)۔ یہ ایک ایسا خطرناک موقف تھا جس کو خدا نخواستہ اگر تھوڑی سی بھی پزیرائی مل جاتی تو آج عزاداری کا نام و نشان بھی نہ ہوتا بلکہ اس کی جگہ تعزیتی سیمینار اور سیاسی اجتماعات ہو رہے ہوتے۔ لیکن نورِ خدا کو پھونکوں سے نہیں بجھایا جاسکتا۔ ذکرِ حسینؑ مخلوق کی کوششوں کی وجہ سے قائم نہیں ہے بلکہ اس کی ذمہ داری خود اللہ نے لی ہے اور حسینؑ کا سب سے بڑا عزا دار اور ان کے خون کا انتقام لینے والا خود اللہ ہے۔

قیامِ حسینؑ ۶۰ھ کی بات نہیں ہے بلکہ روزِ ازل ہی اس کا فیصلہ ہو چکا تھا اور تبھی سے اس کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ ہر نئی کو کر بلا کی تفصیلات بتائی گئیں اور ہر نئی وصیؑ زندگی بھر حسینؑ پر گریہ کرتا رہا۔ اس بات سے ہر شخص واقف ہے کہ تمام انبیاءؑ لوگوں سے اللہ کی توحید منوانے کے لئے آئے تھے اور توحید کو صرف ولایت کے ذریعے ہی جانا اور مانا جاسکتا ہے کیونکہ اللہ کو جاننے اور ماننے کیلئے ضروری ہے کہ ہم کسی نہ کسی نام سے اسے پکاریں مثلاً رحمن، رحیم، غفار، ستار وغیرہ۔ ان ناموں کے بغیر نہ اس کو مانا جاسکتا ہے اور نہ اس کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔ ان تمام ناموں کا تعلق اُس کی صفات سے ہے اور اس کی تمام صفات تحت ولایت ہیں لہذا اس کو ماننے کیلئے ضروری ہے کہ اس کی ولایت کو سمجھا جائے اور اس کی ولایت کا مظہر تائمه میرا مولا امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب ہے۔ لہذا دین کا خلاصہ یہ ہے کہ ولایت امیر المومنین کی معرفت حاصل کی جائے کیونکہ اس کے بغیر توحید کو سمجھنا اور خود کو موحد بنانا ممکن ہی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاءؑ و اوصیاءؑ کا فریضہ منصبی ولایتِ علیؑ لوگوں تک پہنچانا اور ان سے منوانا تھا۔ اسی لئے امیر المومنین نے فرمایا کہ ”جنتی امتوں نے نجات پائی وہ میری وجہ سے اور جنتی امتیں ہلاک ہوئیں وہ بھی میری ہی وجہ سے“۔ یہ سلسلہ بڑھتے بڑھتے حضرت ختمی مرتبتؐ تک پہنچا اور چونکہ آپؐ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں تھا اس لئے آپؐ نے انسانوں پر قیامت تک کیلئے حجت تمام کرتے ہوئے علیؑ کو اپنے ہاتھوں پر اٹھا کر ان کی ولایت کا اعلان کیا اور اسی موقع پر اللہ نے اپنے دین کی تکمیل کا اعلان کیا اور

لوگوں کو سمجھایا کہ دین کا اول و آخر ولایت ہے۔ ولایت ہی کلید توحید ہے جس کے بغیر توحید کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ بس یہی وقت تھا جب ان لوگوں نے جو بظاہر مسلمان تھے لیکن باطن دشمنانِ خدا تھے، ولایتِ علیؑ کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا یعنی توحید کے خلاف ایک محاذ بنا لیا۔ یہ ایک نفسانی بیماری تھی جس کی بنیاد بغضِ علیؑ تھی اور اس کا واحد علاج خونِ حسینؑ تھا۔ اس بیماری نے بڑھتے بڑھتے ایک پھوڑے کی شکل اختیار کر لی اور سقیفے میں یہ پھوڑا سب کے سامنے ظاہر ہو گیا۔ کوئی بھی ماہر سرجن پھوڑے کا آپریشن اس وقت تک نہیں کرتا جب تک وہ پک نہ جائے۔ اسی لئے امیرِ المؤمنین نے اس وقت ہر ظلم صبر و استقامت سے برداشت کر لیا لیکن تلوار نہیں اٹھائی۔ جنگِ صفین میں جب جنگِ فتح ہونے میں چند لمحوں کا فاصلہ رہ گیا تھا اور حضرت مالکِ اُشتر معاویہ کے خیمے تک پہنچ گئے تھے، اس وقت امیرِ المؤمنین نے انہیں واپس بلا لیا۔ مالکِ اُشتر جب واپس آئے تو زار و قطار رو رہے تھے۔ مولانا نے انہیں تسلی دی اور فرمایا۔ ”اے مالک! اب اس کا فیصلہ کر بلا میں ہوگا“۔ سبب یہی تھا کہ یہ پھوڑا ابھی کچھا تھا اور اسی سبب کی بنا پر امامِ حسنؑ نے بھی جنگ نہیں کی اور حکومت و اقتدار کو ٹھوکر ماردی کیونکہ اس پھوڑے کے آپریشن کی ذمہ داری روزِ ازل سے حسینؑ کے کاندھوں پر ڈالی گئی تھی۔ آخر کار وہ وقت آ گیا جس کا انتظار تھا۔ وحی کا انکار کیا جانے لگا اور اس طرح گویا قرآن کا انکار کر دیا گیا اور قرآن کے انکار کا مطلب یقیناً توحید کا انکار تھا۔ ولایتِ علیؑ کو مٹانے کی کوششیں اپنے عروج پر پہنچ گئیں۔ کربلا کی جنگ اسی

ولایتِ علیؑ پر لڑی گئی تھی جس کی دلیل یہ ہے کہ لشکرِ حسینؑ سے جو بھی نکلتا تھا اُس کا نعرہ یہی ہوتا تھا کہ میں دینِ علیؑ پر ہوں اور لشکرِ یزید سے جو نکلتا تھا اس کا نعرہ یہ ہوتا تھا کہ میں دینِ معاویہ پر ہوں۔ کربلا میں حسینؑ نے عملاً ولایت کو ثابت کر کے دکھایا۔ یہ ولایت حسینؑ کے ہر سپاہی میں، ہر خاتون میں اور ہر بچے میں سرایت کر گئی تھی۔ یہ وہ واحد معرکہ تھا جس میں مظلومیت کی تلوار نے ظلم کی شہ رگ کو کاٹ ڈالا، جس میں فتح و شکست کے معیار بدل دیئے گئے۔ جس میں مقتول فاتح اور قاتل شکست خوردہ قرار دیا گیا۔

آخری سجدہ

ہمارے خطیب اور ذاکرین حسینؑ کے آخری سجدے کو محض رونے رلانے کیلئے بیان کرتے ہیں اور اس کی حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ اس سجدے پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ پوری کربلا اس مختصر سجدے میں سمٹ آئی تھی۔ آپ فقط یہ غور فرمائیے کہ آخر اس سجدے کا موقعہ اور محل کیا تھا؟۔ اس کی ضرورت کیا تھی؟۔ یہ نماز کا سجدہ نہیں تھا، نہ یہ شکر کا سجدہ تھا۔ تو پھر یہ کیا تھا؟۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جب میرا مظلوم امام زین سے زمین پر تشریف لایا تو اس کا جسمِ اطہر زمین پر نہیں تھا بلکہ تیروں پر معلق تھا۔ بس ایک تھوڑا سا تصور کیجئے کہ جب میرے مولاً نے سجدہ کیا ہوگا تو کیا سارے تیر بدن کو توڑ کر نہ نکل گئے ہوں گے؟۔ ہماری جانیں اور ہماری اولادیں قربان اپنے آقا پر! یہ

وہ منظر تھا جب زمین و آسمان کانپ رہے تھے۔ جب تمام انبیاء و ملائکہ مہموت کھڑے تھے اور حیرت و استعجاب سے ان کے کلیجے تھر تھرا رہے تھے۔ آخر یہ سجدہ تھا کیا؟۔ بات صرف اتنی ہے کہ حسینؑ نے اپنی ولایت کا ایسا بھرپور مظاہرہ کیا تھا کہ اگر وہ یہ سجدہ نہ کرتے تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آج ہر گھر میں حسینؑ کا بت رکھا ہوتا اور ہر شخص حسینؑ کی پرستش کر رہا ہوتا۔ حسینؑ کا یہ آخری سجدہ تھا جو توحید کو بچالے گیا اور اسی لئے میرے مولا کا ایک نام ”دلیل علی التوحید“ بھی ہے۔

یہ تھا قیام حسینؑ کا مقصد جس کیلئے حسینؑ نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا، کچھ بھی بچا کرنے رکھا۔ ورنہ اگر ان کا قیام حصول حکومت کیلئے ہوتا تو وہ لشکر اور اسلحہ لے کر جاتے، عورتوں اور بچوں کو ساتھ لیکر نہ جاتے۔ لیکن ان کا مقصد تو اپنے باپ کی ولایت اور اللہ کی توحید کو بچانا تھا، سو انہوں نے بچا لیا۔

آداب عزاء

ذکر حسینؑ ایک ایسی عبادت ہے جو تمام عبادات پر محیط ہے۔ جب آپ ذکر حسینؑ کر رہے ہوتے ہیں تو بیک وقت آپ ذکر خدا بھی کر رہے ہوتے ہیں، ذکر رسولؐ بھی کر رہے ہوتے ہیں، ذکر امیر المؤمنینؑ بھی کر رہے ہوتے ہیں اور ذکر ائمہ طاہرینؑ بھی کر رہے ہوتے ہیں۔ اس طرح اس مبارک ذکر کی وجہ سے تمام اذکار زندہ پائندہ ہیں۔ ہماری عبادتیں اسی ذکر کا طواف کرتی نظر آتی ہیں۔ بدنصیب ہیں وہ لوگ جو اذائیں

سن کر اس مجموعہ عبادات کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور ایک بے روح و بے مقصد نماز میں مشغول ہو جاتے ہیں کیونکہ جو نماز حسینؑ کو چھوڑ کر پڑھی جائے، اس میں اور لشکرِ یزید کی نماز میں کوئی فرق نہیں۔ حسینؑ ہی کی وجہ سے تو نماز عبادتِ خدا کا درجہ پاتی ہے، اگر حسینؑ نہ ہو تو یہی نماز عبادتِ شیطان بن جاتی ہے۔

جب کوئی اس نظر سے مجلسِ حسینؑ کو دیکھے گا تو یقیناً وہ اس مجلس کے آداب کو بھی مد نظر رکھے گا اور جلوسِ حسینؑ کے دوران بھی یہ آداب اس کی نظر سے اوجھل نہیں ہوں گے۔ بد قسمتی یہ ہے کہ مجلسِ حسینؑ پر تو بہت توجہ دی گئی لیکن آدابِ مجلس کا خیال ذرا کم ہی رہا اور اس میں کچھ ایسی چیزیں شامل کر دی گئیں جو شرافتِ انسانی کے خلاف ہیں۔ اس کی ذمہ داری کسی ایک پر نہیں ڈالی جاسکتی بلکہ بہت سے لوگ اس میں حصہ دار ہیں، صاحبانِ منبر بھی، صاحبانِ محراب بھی اور خود عزادارانِ حسینؑ بھی۔ ہم ان کی نشاندہی اس لئے کر رہے ہیں تاکہ لوگ اس پر توجہ کریں اور اس مبارک ذکر میں اغراضِ دنیوی کو شامل نہ ہونے دیں۔

پہلی مثال

مجلسِ حسینؑ اپنے اختتامی مراحل میں ہے، بیانِ مصائب اپنے نقطہٴ عروج پر ہے اور عزادار دھاڑیں مار مار کر رو رہے ہیں اور سر و سینہ پیٹ رہے ہیں، آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی ہے کہ اتنے میں خطیبِ دستِ دعا بلند کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ”پروردگار! ان

عزاداروں میں جو بے روزگار ہیں انہیں روزگار عطا فرما، جو بے اولاد ہیں انہیں اولاد عطا فرما، جو قید ہیں ان کو رہائی نصیب کر، ہمارے رزق میں اضافہ فرما، اور اسی قسم کی دوسری دعائیں کرتا ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ بات اہلیت سے بے مروتی کی انتہاء ہے جس پر انسان اگر ذرا بھی تدبیر کرے تو ساری بات اس کی سمجھ میں آجائے گی۔ اگر کسی کے یہاں موت ہو جائے، میت رکھی ہوئی ہو اور آپ وہاں تعزیت کیلئے جائیں، وارثوں کے ساتھ شریک گریہ ہوں اور ان کو تسلی دیں اور اس کے بعد ان سے کہیں کہ ”مجھے دس ہزار روپے کی سخت ضرورت ہے، اگر آپ عنایت فرمادیں تو بڑی مہربانی ہوگی“۔ آپ اپنے ایمان سے کہیں کہ کیا ایسے موقع پر آپ یہ کہنے کی جرات کر سکتے ہیں؟۔ ہرگز نہیں! کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ یہ بات مروت کے خلاف ہے۔ اور اگر وہ شخص سخی ہے اور وہ آپ کو روپے دے بھی دے تب بھی وہ ایسے موقع پر مانگنے والے کو انتہائی بے مروت اور مطلبی شخص ضرور سمجھے گا اور ایسا شخص اُس کی نظر سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے گر جائے گا۔ آپ خود سوچیں کہ کیا آپ کی نظر میں اہلیت کی عزت و حرمت ایک عام آدمی کے برابر بھی نہیں؟۔ کیا لوگ نہیں جانتے کہ وہ ایسے مقام پر ہیں جہاں خود سیدہ کونین تشریف فرما ہیں اور اپنے رومال میں عزاداروں کے بہتے ہوئے آنسو جذب کر رہی ہیں؟۔ ایسے موقع پر آپ دنیوی حاجات مانگ کر ان پر کیا ظاہر کرنا چاہتے ہیں؟۔ یہی کہ روپیٹ کر اب تک جو کارکردگی آپ نے دکھائی تھی اس کا مقصد یہی تھا؟۔ خدا کیلئے اس بات کو سمجھیں اور

جب بھی مصائب کے بعد کوئی خطیب دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے تو اسے ٹوکے کہ یہ مانگنے کا محل نہیں ہے۔ مانگنا ہے تو ۱۳ رجب کو مانگو، ۳، ۴ اور ۱۵ شعبان کو مانگو۔ اور سب سے بڑھکر ۱۸ ذی الحج کو مانگو کہ یہ خوشی کے موقعے ہیں اور خوشی کے مواقع پر خزانے لٹائے جاتے ہیں۔

دوسری مثال

روزِ عاشورہ جو قیامت کے دن سے کم نہیں، جو ہمارے لئے گریبان چاک کرنے اور سر پر خاک ڈالنے کا دن ہے، خاص اسی روز عجیب مناظر دیکھنے میں آتے ہیں۔ تابوت جو حسینِ مظلوم کے جنازے کی شبیہ ہے، اس پر ہمیں سب پیوستہ دکھائی دیتے ہیں۔ یہ منتی سب ہوتے ہیں کہ اگر منت پوری ہوگئی تو اگلے سال پھر چڑھائیں گے۔ ذوالجناح جو اُس گھوڑے کی شبیہ ہوتا ہے جس نے اپنی پیشانی خونِ حسینؑ میں تر کر کے اہل حرم کو قتلِ حسینؑ کی خبر دی تھی، لوگ اس کی ٹانگیں پکڑے ہوئے اپنی اپنی حاجات بیان کرتے نظر آتے ہیں۔ جن لڑکیوں کے رشتے نہیں آتے انہیں بطور خاص مجلس یا جلوس میں لایا جاتا ہے اور حضرت قاسمؑ کی یاد میں برآمد ہونے والی منہدی ان کے ہاتھوں پر لگائی جاتی ہے تاکہ ان کے رشتے آجائیں۔ آپ ایمان داری سے کہیئے کہ کیا سوگوار لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں؟ کیا وفا شعار لوگوں کا یہی چلن ہوتا ہے؟۔ انتہائی معذرت کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ ایسے لوگوں کی مثال تو ان لوگوں جیسی ہوتی

ہے جو کسی بھی حادثے کی جگہ پہنچ جاتے ہیں اور زخمیوں کی امداد کے بہانے ان کی گھڑیاں اتار لیتے ہیں اور ان کی جیب سے پیسے نکال لیتے ہیں۔ یہ بڑی شرم کی بات ہے اور اللہ ہی جانتا ہے کہ ایسی فتنج رسمیں کس نے رائج کی ہیں۔

تیسری مثال

اب تک جو مثالیں دی گئیں ان کا تعلق عام لوگوں سے تھا۔ اب ہم خطیبوں اور ذاکرین کی طرف آتے ہیں جو محض لوگوں کو رلانے کیلئے بے سرو پار وایتوں کا سہارا لیتے ہیں حالانکہ امام مظلوم نے فرمایا تھا کہ ”جو ہماری کوئی ایسی مصیبت بیان کرے جو ہم پر نہ گزری ہو تو اس کا شمار ہمارے قاتلوں میں ہوگا“۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ کاش حسینؑ پر یہ مصیبت بھی پڑ جاتی تو ہمیں لوگوں کو رلانے کا اور بھی موقع مل جاتا۔ وہ ایسی روایات بیان کرنے سے بھی نہیں چوکتے جن سے اہلیت کی صریح توہین کا پہلو نکلتا ہے۔ ہم ایسی دو مثالیں پیش کرتے ہیں جو ہر خطیب و ذاکر کی نوک زبان پر ہیں۔ پہلی روایت بیان کرنے سے پہلے ہم امیر مختارؒ کا ایک مختصر سا واقعہ بیان کرنا چاہتے ہیں تاکہ بات پوری طرح واضح ہو جائے۔

امیر مختارؒ جب لڑکپن کی عمر میں تھے تو ان کے والد انہیں امیر المؤمنین کی خدمت میں لے گئے۔ آپؑ نے ازراہ شفقت مختارؒ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا۔ ”یہ لڑکا ایک لاکھ بنی امیہ کو قتل کرے گا“۔ ایک طویل مدت کے بعد ایسا ہوا کہ امیر مختارؒ حجاج بن

یوسف ملعون کے ہاتھوں گرفتار ہوئے، قتل کے احکام جاری کر دیئے گئے، چمڑا بچھا دیا گیا اور مختار کی گردن شکنجے میں کس دی گئی۔ ایسے میں حجاج نے دیکھا کہ مختار ہنس رہے ہیں۔ حجاج کو تعجب ہوا کہ موت اس شخص کے سر پر منڈلا رہی ہے، پھر بھی یہ ہنس رہا ہے۔ اُس نے پوچھا۔ ”کیوں ہنس رہے ہو؟“ مختار نے فرمایا۔ ”میں اس لئے ہنس رہا ہوں کہ تو میرے قتل کیلئے اتنی کوشش کر رہا ہے جبکہ تو مجھے قتل کر ہی نہیں سکتا۔“ حجاج نے غضبناک ہو کر پوچھا کہ ”کیوں نہیں کر سکتا؟“۔ مختار نے جواب دیا کہ ”میرے مولاً نے مجھ سے فرمایا تھا کہ تو ایک لاکھ بنی امیہ کو قتل کرے گا۔ اب اگر تو نے مجھے قتل کر دیا تو پھر ایک لاکھ بنی امیہ کو کون قتل کرے گا؟۔ میرا مولاً اصدق الصادقین ہے۔ اس کا فرمان پورا ہو کر رہے گا۔“ اس واقعے کو بیان کرنے کا مقصد صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ علیؑ کے ایک ادنیٰ غلام کو اپنے مولاً کے فرمان پر کتنا بھرپور اعتماد تھا کہ وہ ایسے موقع پر بھی پرسکون رہا جبکہ انسان کے اوسان خطا ہو جایا کرتے ہیں۔ اب آئیے اپنے خطبا، وذاکرین کی طرف جو کثرت سے یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عباسؑ علمدار میدان جنگ میں جانے لگے تو جناب زینبؑ نے تمام اہل حرم کو جمع کیا اور فرمایا کہ ”جب میں مدینے سے چلی تھی تو میں نے تمہارے پردے کی ضمانت لی تھی لیکن اب میں وہ ضمانت واپس لیتی ہوں۔ میں جب سچی تھی تو ایک بار میں اپنے بابا کی گود میں بیٹھی ہوئی تھی اور میرے بابا بار بار میرے بازوؤں کو چومتے تھے۔ میں نے سبب پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ بیٹی ان بازوؤں میں رسی بندھے گی۔ میں اکثر سوچا

کرتی تھی کہ جس زینب کا عباسؑ جیسا بھائی موجود ہو اس کے بازوؤں میں کون رسیاں باندھ سکتا ہے۔ لیکن اب جبکہ عباسؑ رخصت ہو گئے تو مجھے یقین ہو گیا کہ میرے بازوؤں میں ضرور رسی باندھی جائے گی۔“

ہم نے پورا واقعہ من و عن نقل کر دیا۔ اب جس کا ضمیر اس بات کو تسلیم کرنے کیلئے تیار ہو جائے اس کے بارے میں تو ہم کچھ نہیں کہیں گے لیکن جو صاحبان عقل و ایمان و غیرت و حمیت ہوں گے وہ ضرور یہ سوچیں گے کہ علیؑ کا ایک ادنیٰ غلام تو ان کی بات پر اتنا یقین رکھتا ہے کہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بھی مسکرا رہا ہے لیکن خود علیؑ کی بیٹی، اور زینبؑ جیسی بیٹی، اپنے بابا کی بات پر یقین کرنے کو تیار نہیں ہے۔ ان باتوں کو سنکر دل خون کے آنسو روتا ہے۔ ہم تو اپنے خطباء و ذاکرین سے ہاتھ جوڑ کر التجا ہی کر سکتے ہیں کہ وہ روایات پڑھتے وقت انتہائی احتیاط سے کام لیا کریں۔

دوسری روایت جو بڑی کثرت سے بیان کی جاتی ہے وہ زندانِ شام سے رہائی کے بعد اہل حرم کے ایک مکان میں جمع ہونے اور شہداء کے سروں کو لائے جانے سے متعلق ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب شہداء کے سر آئے تو ہر بی بی اپنے اپنے بچے کا سراپنی گود میں رکھ کر اس پر بین کرنے لگی۔ صرف دوسرا ایسے تھے جن پر رونے والا کوئی نہ تھا۔ راوی نے پوچھا کہ ”کیا ان بچوں کی ماں مر گئی ہے؟“ تو جناب زینبؑ نے جواب دیا کہ ”نہیں۔ ان کی ماں میں ہوں لیکن میں ان پر نہیں روؤں گی بلکہ اپنے بھائی حسینؑ پر روؤں گی۔“ یہ روایت بھی سامعین کو رلانے کیلئے بیان کی جاتی ہے۔ لیکن اس بات

کا احساس نہیں کیا جاتا کہ اس سے اُن پاک بیبیوں پر (معاذ اللہ) حسینؑ سے بے وفائی کا الزام آتا ہے۔ جو لوگ اُن وفاداروں کی معرفت رکھتے ہیں یقیناً یہ سوچیں گے کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ حسینؑ کے سر مبارک کو لاوارث اور اکیلا چھوڑ کر اپنے بچوں پر ماتم کرنا شروع کر دیں۔ اگر انہیں اپنے بچوں سے ایسی ہی محبت ہوتی تو وہ انہیں سجا بنا کر نصرت حسینؑ کیلئے میدان میں بھیجتی ہی کیوں؟۔

چوتھی مثال

اس مثال کا تعلق صاحبانِ محراب سے ہے جو اس سلسلے میں پہلے ہی بہت بدنام ہیں اور ان کا کام ہی یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ لوگوں کی توجہ اہلبیتؑ کی طرف سے ہٹا کر انہیں ظاہری عبادات میں مشغول کر دیں۔ عزاداری کے سلسلے میں بھی اُن کا یہی رویہ ہے۔ رمضان میں شبِ ضربت اور شبِ شہادت قیامت کی راتیں ہوتی ہیں اور ان راتوں میں شہادتِ امیر المؤمنین ہی ہر نگاہ کا محور ہوتی ہے۔ لوگ جب یہ تصور کرتے ہیں کہ ان راتوں میں اہلبیتؑ پر کیا گزر رہی ہوگی تو ان کے دل بے قرار ہو جاتے ہیں۔ یہ بے قراری انہیں سونے نہیں دیتی اور وہ تمام رات گریہ و ماتم میں مشغول رہتے ہیں۔ لیکن صاحبانِ محراب خاص انہی راتوں میں لوگوں کو مسجدوں میں جمع کر لیتے ہیں تاکہ وہ سروں پر قرآن اٹھائے ہوئے اپنے گناہوں کی معافیاں مانگتے رہیں اور علیؑ کی طرف ان کا دھیان ہی نہ جائے

شبِ عاشورا اور روزِ عاشورا ہمارے دل خون کے آنسو رو رہے ہوتے ہیں، سروں پر خاک ڈالے، گریبان چاک کئے اور یا حسینؑ یا حسینؑ کی صدا لگاتے ہم ایک عزا خانے سے دوسرے عزا خانے اور دوسرے عزا خانے سے تیسرے عزا خانے میں حاضری دیتے ہیں اور حسینؑ کی ماں گو اُن کے خاندان کا پرسہ دیتے ہیں۔ نہ ہمیں کھانے پینے کا ہوش ہوتا ہے، نہ ہمیں اپنی خبر ہوتی ہے نہ اپنی اولاد کی، شیرخوار بچوں کو ان کی مائیں دودھ نہیں پلاتیں کہ حسینؑ کے بچے بھوکے اور پیاسے تھے۔ اس انہماک کو توڑنے کیلئے اعمالِ شبِ عاشورا اور اعمالِ روزِ عاشورا بقلم خود تصنیف کر لئے گئے ہیں تاکہ لوگ حسینؑ کو بھول کر ان کاموں میں لگ جائیں۔ جو تھوڑی بہت کسر رہ جاتی ہے تو اسے جلوسِ حسینؑ روک کر اور نماز کھڑی کر کے پورا کر دیا جاتا ہے۔

زیارتِ الحسینؑ

ہم نے اپنا بیان مکمل کر لیا لیکن زیارتِ قبرِ حسینؑ کے سلسلے میں پھیلائی گئی ایک شدید غلط فہمی کا ازالہ کرنا ہم اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں۔ مذہبی حلقوں سے یہ صدا لگائی جاتی ہے کہ انسان کو حج پہلے کرنا چاہیے اور زیارت بعد میں کیونکہ بقول ان کے، حج واجب ہے اور زیارت مستحب۔ یہ بھی امامِ مظلوم کی اہمیت کم کرنے کی ایک کوشش ہے۔ ہم پوری قوت سے اس افواہ کی تردید کرتے ہیں اور واضح طور پر اپنے دوستوں کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ زیارتِ حسینؑ مستحب نہیں بلکہ واجب عینی ہے۔ حج میں تو پھر

بھی استطاعت کی شرط لگی ہے لیکن زیارتِ حسینؑ غیر مشروط طور پر واجب ہے۔ حج زندگی میں ایک مرتبہ واجب ہے جبکہ زیارتِ قبرِ حسینؑ ہر روز کرنا واجب ہے۔ اس سلسلے میں ہم دو احادیثِ معصومینؑ پیش کرتے ہیں جو ہماری بات پر دلیل ہیں۔ یہ احادیث ہم اپنی کتاب کشف الاحکام سے نقل کر رہے ہیں۔

۱۔ من لا یحضرہ الفقیہ۔ جلد ۲۔ صفحہ ۳۳۷۔ حدیث ۳۱۷۷۔

امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں۔ ”جو شخص امام حسینؑ کی امامت من جانب اللہ ہونے کا اقرار کرتا ہے اس پر آپؑ کی زیارت کرنا واجب ہے۔“

۲۔ من لا یحضرہ الفقیہ۔ جلد ۲۔ صفحہ ۳۵۸۔ حدیث ۳۲۰۳۔

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں۔ ”حج زندگی میں ایک بار واجب ہے اور وہ بھی بشرط استطاعت۔ لیکن زیارتِ قبرِ حسینؑ ہر روز واجب ہے اور ایسا نہ کرنے والا امام حسینؑ پر ظلم کرنے والا ہے۔ اگر انسان کے لئے ہر روز قبرِ حسینؑ پر جانا ممکن نہ ہو تو اس کا چاہئے کہ ہر روز اپنے مکان کی چھت پر چلا جائے۔ پہلے دائیں طرف توجہ کرے پھر بائیں طرف اور پھر آسمان کی طرف نگاہ کرے اور پھر اپنے آقا و مولا امام مظلوم کی خدمت میں سلام عرض کرے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے قبرِ حسینؑ پر کھڑے ہو کر سلام کرنا۔“

یہ واضح رہنا چاہئے کہ امام کے لئے حیات و موت میں کوئی فرق نہیں ہوتا اس لئے جو احکام ان کی زندگی میں ان کی زیارت کیلئے ہوتے ہیں وہی احکام ان کی قبر کی زیارت کے بھی ہوتے ہیں۔ ضروری ہے کہ انسان غسل یا کم از کم وضو کر کے ان کی زیارت

کیلئے جائے اور جیسے ان کی زندگی میں بغیر اجازت ان کی بارگاہ میں داخل نہیں ہوتا تھا اسی طرح ان کے احاطہٴ ضریح میں داخل ہونے سے پہلے بھی لازم ہے کہ ان سے اذن دخول طلب کرے۔ ایامِ عزا میں ان سے اپنی دنیوی حاجات کیلئے سوال نہ کرے بلکہ ان سے ان کی محبت اور معرفت مانگے۔ نماز پڑھے تو کبھی ان کی قبر کی طرف پشت کر کے یا قبر کے دائیں یا بائیں کھڑے ہو کر نہ پڑھے بلکہ ان کی قبر کے پیچھے یعنی قبر کو قبلہ بنا کر پڑھے۔ ان کی محبت اور معرفت کو اپنے اوپر لازم کر لے کیونکہ ان چیزوں کے بغیر زیارت قبول نہیں ہوتی۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ

تخفہ یا علیٰ مدد

مطبوعات سید باقر شارزیدی

کشف الحقائق

کشف العقائد

کشف المسائل

کشف التضال

کشف المعارف

کشف المودة

کشف الاحکام

کشف الصلوة

کشف العزاء